اخلاق ومعاشرت پر زبان اور لباس کا اثر

مولانا ارشاد احمد سالارزئی
استاذ مدرسہ ابن عباسؓ، کراچی

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں جتنی چیزیں پیدا کی ہیں، وہ سب کی سب انسانوں کے کسی نہ کسی فائدے کے لیے ہیں، چنانچہ جس طرح ہر ہر جماد ونبات میں اور جڑی بوٹیوں میں حق تعالیٰ نے خاص خاص آثار رکھے ہیں، جن میں سے کچھ انسانی طبیعت کے لیے مفید جبکہ بعض مضر سمجھے جاتے ہیں اور دوا وعلاج اور پرہیز میں اُن کا لحاظ رکھا جاتا ہے، اسی طرح انسانی افعال واعمال میں بھی ہر عمل کی کچھ خاصیات ہیں جو قرآن وحدیث میں بیان کی گئیں اور بعض مشاہدات وتجربات سے ثابت ہیں۔

زبان اور لباس اسی سلسلے کی دو کڑیاں ہیں کہ ان میں حق تعالیٰ نے خاص خاص آثار رکھے ہیں اور اکثر احکامِ اسلام میں اُن کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

صدیوں کے تجربہ اور ہزاروں مشاہدات سے یہ امر درجۂ یقین کو پہنچ جاتا ہے کہ انسان جس قوم کی زبان اور لباس اختیار کرتا ہے' اس کے خیالات اور اخلاقیات نہایت تیزی سے اس کے دل ودماغ پر چھا جاتے ہیں، اس باریک ربط کی حقیقت کوئی سمجھ سکے یا نہ سمجھ سکے، مگر اس کے نتائج اس قدر کھلے ہوئے ہیں کہ ان کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

ہمارے اسلاف اس گُر سے خوب واقف تھے۔ انہوں نے جب جزیرۃ العرب سے ہدایت کا جھنڈا لے کر عجم کی طرف قدم نکالا تو ہر جگہ اس کا خیال رکھا اور جس طرح اسلام کی اشاعت وتبلیغ کو تمام عالمِ اسلام پر عام کرنے کی کوشش کی، اسی طرح عربی زبان اور عرب کی وضع قطع ولباس کو بھی عام کرنے کی بھرپور سعی فرمائی اور تھوڑے ہی عرصے میں وہ حیرت انگیز کامیابی حاصل کی کہ پوری دنیا میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ ایک طرف اگر دنیا کا جغرافیہ بدل ڈالا تو دوسری طرف مختلف ممالک وطبقات کی زبانیں بدل ڈالیں۔ اس سے پہلے مصر میں قبطی زبان، شام میں رومی زبان، عراق وخراسان میں فارسی، یورپی ممالک

میں بربری زبانیں رائج تھیں۔ اسلام ان ممالک میں پہنچا تو تھوڑے ہی عرصہ میں ان ممالک کی زبانیں اس طرح بدل گئیں کہ لوگ مادری زبانوں کو بالکل بھول گئے اور ملکی زبانوں کا نام ونشان باقی نہ رہا۔

عربی زبان کے اتنے بڑے پھیلاؤ میں خود اس زبان کی شیرینی اور وسعت وسہولت کو بھی بڑا دخل ضرور ہے، لیکن ساتھ ہی اس میں بھی شبہ نہیں کہ حضرات صحابہ کرامؓ وتابعینؒ کی حکمت عملی اور اہتمامِ خاص کے بغیر یہ کایا پلٹنا محال نہیں تو مشکل ضرور تھا۔

اسی حکمت عملی کا ایک حصہ یہ بھی تھا کہ یہ اکابرِ اُمت واساطینِ ملت جس خطۂ ارضی میں اُترے، جب خطبہ دیا تو عربی زبان میں دیا، حالانکہ مخاطب اس زبان سے بالکل ناواقف تھے اور یہ حضرات اس پر قادر تھے کہ خود یا کسی ترجمان کے ذریعے خطبہ کو ملکی زبان میں منتقل کر کے مخاطبین تک پہنچائیں، لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا اور ضروری احکام کو مخاطبین کی ملکی زبان میں پہنچانے کے لیے دوسرے انتظامات کر کے خطبوں کو صرف عربی زبان میں منحصر رکھا، تاکہ مخاطب کو خود اس طرف رغبت ہو کہ امام وامیر کی تقریر کا مفہوم سمجھنے کے لیے عربی زبان سے آشنا ہونا لازم ہے۔

اسلامی اعتدال کی ایک مثال

لیکن اس حکمت عملی میں بھی مسلمانوں نے اپنی امتیازی شان یعنی اعتدال اور حدود کی حفاظت کا ایسا خیال رکھا ہے کہ دوسری قوموں میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ وہ چاہتے تھے کہ جلد سے جلد عربی زبان عام ہو جائے، لیکن اس مقصد کو ترغیب کی حد سے آگے نہیں بڑھایا کہ جبر واِکراہ کی نوبت آجائے۔ اقوامِ عالم کی کسی ایسی ضرورت کو عربی زبان پر موقوف نہیں رکھا، جس کے بغیر گزارہ مشکل ہو اور انسانی زندگی حرج اور تنگی میں پڑ جائے۔

خطبہ کا سمجھنا کوئی فرض یا واجب نہیں کہ اس کے نہ سمجھنے سے انسان گنہگار ہو، البتہ ترغیب کا ایک بہترین اور معتدل ذریعہ ضرور تھا، کیونکہ فطری طور پر مخاطب کو اس کی رغبت ہوتی ہے کہ امیر کی تقریر کو سمجھے، بخلاف عیسائی اقوام کے کہ جب ان کو اس گُر کی خبر ہوئی اور انہوں نے اپنی زبان کو عام کرنے کی ناکام کوشش شروع کی تو اس مقصد کے لیے مخلوقِ خدا کی زندگی تنگ کر دی، اُن کا سفر وحضر اور معاملاتِ بیع وشراء اور رزق وروزی کو اپنی زبان جاننے پر موقوف کر دیا۔ اگر ان کی ازلی محرومی اور زبان کی تنگی وسختی درمیان میں نہ ہوتی تو بلا شبہ آج دنیا میں انگریزی کے سوا اور کسی دوسری زبان کا نام ونشان نہ ہوتا۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسلام اور اسلامی زبان ہی کو خصوصی فضیلت عطا فرمائی ہے کہ وہ جس ملک میں داخل ہوئی ساری زبانیں منسوخ کر کے اُن سب کی جگہ لے لی۔ (۱)

یورپ کا مشہور ڈاکٹر گستاو لی بان عربی زبان کی اس ہمہ گیری پر حیران ہو کر لکھتا ہے کہ:

''زبانِ عربی کی نسبت ہم کو وہی کہنا ہے جو ہم نے مذہبِ عرب کی نسبت کہا ہے، یعنی جہاں پہلے ملک گیر اپنی زبان کو مفتوحہ ممالک میں جاری نہ کر سکے تھے، عربوں نے اس میں کامیابی حاصل کی اور مفتوحہ اقوام نے ان کی زبان کو بھی اختیار کیا۔ یہ زبان ممالکِ اسلامیہ میں اس درجہ پھیل گئی کہ اس نے یہاں کی قدیم زبانوں یعنی سریانی، قبطی، یونانی، بربری وغیرہ کی جگہ لے لی۔ ایران میں بھی ایک مدت تک عربی زبان رائج رہی اور اگرچہ اس کے بعد فارسی زبان کی تجدید ہوئی، لیکن اس وقت تک علماء کی تحریریں اسی زبان میں ہوتی تھیں۔ ایران کے سارے علوم و مذاہب کی کتابیں عربی ہی میں لکھی گئی ہیں۔ ایشیاء کے اس خطہ میں عربی زبان کی وہی حالت ہے جو قرونِ وسطیٰ میں یورپ میں لاطینی زبان کی تھی۔ ترکوں نے بھی انہی کی طرزِ تحریر اختیار کر لی اور اس وقت تک ترکوں کے ملک میں کم استعداد کے لوگ بھی قرآن کو بخوبی سمجھ لیتے ہیں۔

البتہ یورپ کی لاطینی اقوام کی مثال ہے جہاں عربی زبان نے ان کی قدیم زبانوں کی جگہ نہیں لی، لیکن یہاں بھی انہوں نے اپنے تسلُّط کے کھلے آثار چھوڑے ہیں۔ موسیو ڈوزی اور موسیو انگلمین نے مل کر زبانِ اندلس اور پرتگال کے ان الفاظ کی جو عربی سے مشتق ہیں ایک لغت (ڈکشنری) تیار کر لی ہے، فرانس میں بھی عربی زبان نے بڑا اثر چھوڑا ہے۔ موسیو سدی یو نے کیا خوب لکھا ہے کہ:

''ادورن اور شوزمین کی زبانیں بھی عربی الفاظ سے زیادہ معمور ہوگئی ہیں اور ان کے ناموں کی صورت بھی بالکل عربی ہے۔''

فرانسیسی زبان کے ایک لغت نویس جنہوں نے عربی الفاظ کا اشتقاق دیا ہے، لکھتے ہیں:

''فرانس میں عربوں کے قیام کا اثر نہ محاورات پر رہا ہے، نہ زبان پر۔''(۲)

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس رائے کی کس قدر وقعت ہے۔ بڑی حیرت کی بات ہے، اب بھی ایسے تعلیم یافتہ لوگ موجود ہیں جو اس قسم کے مہمل اقوال دہراتے نہیں تھکتے۔ اس فرانسیسی لُغوی کی لَغو بیانی کو تو خود یورپ کے فاضل گستاو لی بان نے واضح کر کے محتاجِ تردید نہیں چھوڑا، لیکن ہم مزید اتنا کہیں گے کہ یہ بیچارہ یا تو یورپ کی گزشتہ تاریخ سے بالکل واقف نہیں، یا محض قومی تعصب کی وجہ سے لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنا چاہتا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ یورپ کے ممالک میں اسلام کو داخل ہوئے نصف صدی نہیں گزری تھی کہ وہاں کے عام باشندگان نے بربری و لاطینی زبانوں کو دفن کر دیا کہ ان ممالک میں نصاریٰ کے پادری

اس پر مجبور ہوگئے تھے کہ اپنے مذہب کی نماز وعبادت کا ترجمہ عربی زبان میں کر کے مسیحی قوم کے سامنے پیش کریں، تاکہ وہ اُسے سمجھ سکیں۔ (۳)

الغرض امراء اسلام نے اشاعتِ زبان کے اہم مقصد کے ساتھ رعایا کی سہولت وآسانی کا بھی خاص خیال رکھا ہے، یورپی قوموں کی طرح دنیا کو اس پر مجبور نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ جس طرح اسلام ناسخ الادیان ٹھہرا، اسی طرح عربی زبان بھی تمام زبانوں کے لیے ناسخ ثابت ہوئی۔

آپ غور کیجئے کہ اکابرینِ اسلام نے عربی زبان کی اشاعت میں یہ کوشش کیوں کی؟ اس کا ایک سیاسی مقصد تو ظاہر اور عام ہے کہ حاکم ومحکوم اور سلطان ورعیت میں تعلق اور رابطہ بڑھے۔ دوسرا مقصد یہ بھی تھا کہ ان حضرات کا مطمحِ نظر یہ تھا کہ جب قرآنی زبان لوگوں میں رائج ہوگی تو قرآنی اخلاق ومعاشرت بھی ان میں بآسانی پیدا ہوسکیں گے، چنانچہ عربی زبان کے رائج ہوتے ہی یہ دونوں مقاصد حاصل ہوئے۔ آج کل یورپ کو اپنی دنیاوی ترقی پر بڑا ناز ہے، وہ اپنے آپ کو تہذیب وتمدن اور سیاست کا مالک سمجھتا ہے، اس کو سمجھنے کے لیے ایک مثال ملاحظہ فرمالیجئے۔

یورپ میں عربی زبان اور اسلامی تمدن ومعاشرت

اسلام جب مغربی ممالک میں فاتح بن کر داخل ہوا، اور اندلس و پرتگال اس کے ٹھکانے ٹھہرے، تو نصف صدی گزرنے سے پہلے ہی یہاں کی بربری زبان رخصت ہوئی۔ اس کے بعد گویا کہ یہ ملکِ عرب کا ایک خطہ بن گیا، اور نہ صرف زبان بلکہ یورپ کی ساری اقوام، وضع قطع اور تمدن ومعاشرت میں مسلمانوں کی نقل اُتارنے کو فخر سمجھنے لگے اور صرف یہی نہیں، بلکہ آس پاس کے دوسرے ممالک فرانس وغیرہ اس محبوبانہ اثر سے خالی نہ رہے۔ چنانچہ شیخ محمد کرد علی مصری جو مصر میں مجمع علمی کے صدر رہ چکے ہیں، وہ اپنے سفرنامۂ اندلس میں اندلس اور پرتگال کے چشم دید واقعات اور اس کے ماضی وحال کا موازنہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''نہ صرف وہ یورپی ممالک جو اسلام کے زیرنگیں آچکے تھے، اسلامی زبان واسلامی معاشرت کے دلدادہ ہوگئے، بلکہ یورپ کے آس پاس کے ممالک بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ جلالقہ، لیوتیون، نارفاریون کے سمجھ دار لوگ عربی زبان سیکھتے تھے، وہ مسلمانوں کے تمدن ومعاشرت پر ایسے فریفتہ تھے کہ اپنے مذہبی اصول کو چھوڑ کر مسلمانوں کی وضع قطع، مسلمانوں کی عادات واخلاق اور مسلمانوں کی طرح اپنی عورتوں کو

پردہ میں رکھنے کے عادی ہو گئے تھے۔‘‘(۴)

افسوس کہ ہم کیا سے کیا ہوئے؟ کہاں سے کہاں جا پہنچے؟ سلف کی اولاد نے کس طرح ان کی عزت کے نشانات کو مٹایا اور غیروں کی غلامی کا طوق اپنے ہاتھوں سے اپنی گردن میں ڈال دیا، اُن کی قائم کی ہوئی بنیادوں کی ایک ایک اینٹ اور لگائے ہوئے چمن کا ایک ایک درخت جڑ سے اُکھیڑ دیا۔ صد افسوس کہ جو قومیں ہماری نقالی پر بجا طور پر فخر کرتی تھیں، آج ہم بے جا طور پر اُن کی نقالی کے دلدادہ ہو گئے، وضع قطع ان کی اختیار کر لی، زبان ان کی لے لی، بے ضرورت انگریزی لفظ بولنے کو فخر سمجھنے لگے۔ صحیح لفظ نہ بھی آتا ہو تو غلط ہی سہی، تب بھی انگریز کی مشابہت تو حاصل ہو ہی جائے گی۔ عورتوں کو پردے سے نکالا اور مردوں کے دوش بدوش لا کھڑا کیا، **إنا للّٰه وإليه المشتكٰى**۔

ہم نے اول صرف اُن کی زبان اور وضع قطع اختیار کی اور سمجھا کہ ایمان واسلام کا تعلق دل سے ہے، ظاہری وضع قطع کو اس میں کیا دخل ہے؟! لیکن تجربات نے بتلا دیا کہ یہی ایک بجلی کی لہر تھی جو دل و دماغ پر چھا گئی اور انگریزیت ونصرانیت ہمارے دلوں میں رچ بس گئی۔

ایک شخص ابتداء میں صرف انگریزی جوتا استعمال کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس سے ہم انگریز نہیں بن گئے، لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں وہ دیکھ لے گا کہ یہ انگریزی جوتا اس کے بدن سے اسلامی پاجامہ اُتروا کر ٹخنوں سے نیچا پاجامہ پہننے پر مجبور کر دے گا۔ پھر یہ پاجامہ اس کا اسلامی لباس وکرتہ اُتروائے گا، اور جب اعضاء وجوارح اور بدنِ انسانی کے سب ارکان مغربی رنگ کے ہو گئے تو اس کے سلطان سرتاج کو مجبور ہو کر اُن کا تابع بننا پڑے گا اور انگریزی ٹوپی مسنون پگڑی کی جگہ لے لے گی اور جب خود سرتاپا صاحب بہادر بن گئے تو سمجھ لیجئے کہ اب گھر کے قدیم اصول ورواج کی خیر نہیں؛ کیونکہ یہ صاحب اب کسی مسند پر بیٹھ نہیں سکتے، دسترخوان پر کھانا تناول نہیں فرما سکتے، نماز کے لیے بار بار وضو نہیں کر سکتے، رکوع وسجدہ میں جھکتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے، الغرض گھر کا پرانا فرنیچر رخصت، پرانی وضع قطع رخصت، قدیم روایات رخصت، طہارت وعبادت رخصت۔

اس مثال سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ ایک انگریزی جوتے کی آفت نے کہاں سے کہاں پہنچایا اور کس طرح اس نے مسلمان کے دین ودنیا کو تباہ کر ڈالا۔

حافظ ابن القیمؒ اپنے رسالہ ’’**الدواء الشافي**‘‘ میں تحریر فرماتے ہیں: حقیقت میں گناہوں کا ایک سلسلہ ہے، کیونکہ انسان جب ایک گناہ کرتا ہے تو دوسرا خود بخود اس کے ساتھ لگ جاتا ہے، ایک حدیث میں ہے کہ نیکی کی فوری جزاء یہ ہے کہ اس کے بعد دوسری نیکی کی توفیق مل جاتی ہے اور گناہ کی

فوری سزا یہ ہے کہ اس کے بعد انسان دوسرے گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ (۵)

آج ہم انگریز کے مظالم اور تکبر آمیز معاملات سے تو بڑے تنگ آ چکے ہیں اور اُن کو برا بھی سمجھتے اور کہتے ہیں، مخالفت کا اظہار بھی کرتے ہیں، لیکن افسوس کہ انگریز جن کردار و عادات اور اخلاق و معاشرت کی وجہ سے قابلِ نفرت ہیں، وہ ہمارے رگ وریشہ میں سرایت کر چکے ہیں۔ انگریزوں کو برصغیر سے نکالنے کے لیے تو بہت سارے لوگ مختلف تنظیموں اور پارٹیوں کی شکل میں سرگرم نظر آتے ہیں، لیکن انگریزیت کو دل و دماغ اور اس کی غلامی کے طوق و زنجیر کو اپنی زندگی سے نکالنے کے لیے کوئی تیار نہیں، حالانکہ انگریز کو برِصغیر پاک و ہند سے نکالنا غیر اختیاری ہے اور اس کے راستے میں بہت ساری مشکلات بھی ہیں، جبکہ اُن کی طرزِ زندگی کو چھوڑ دینا اختیاری امر ہے، اس میں کوئی مشکل نہیں۔

اگر حقیقت میں نصاریٰ اور انگریزوں سے نفرت ہے تو ہمارا پہلا قدم یہ ہونا چاہیے کہ آج ہی اُن کی وضع قطع اور طرزِ معاشرت کو یکلخت چھوڑ دیں، اور زبان کا استعمال بھی بقدرِ ضرورت و مجبوری کریں اور بغیر شدید ضرورت کے انگریزی الفاظ کا استعمال نہ کریں اور جن مواقع میں انگریزوں کی پالیسی نے ہمیں انگریزی کے لیے مجبور کر رکھا ہے، ان میں اس بات کی کوشش کریں کہ برصغیر کا کوئی شخص اس پر مجبور نہ رہے کہ ڈاک اور ریل کے ٹکٹ اور تمام کاروبار ہماری ملکی زبان میں ہوں، پاکستانی عدالتوں کے فیصلے ملکی زبان میں ہوں، تاکہ ہمارے قلوب و دماغ نصاریٰ کے تسلط سے پاک ہوں؛ کیونکہ ہر زبان میں اچھی بری خاصیات ہوا کرتی ہیں، جن کا اثر براہِ راست بولنے والے کے دل و دماغ پر پڑتا ہے، جیسا کہ حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

''واعلم أنَّ اعتياد اللغة يؤثّر في العقل والخُلُق والدين تأثيرًا قويًّا بيّنًا، ويؤثّر أيضًا في مشابهة صدر هٰذه الأمة من الصحابةؓ والتابعينؒ، ومشابهتُهم تَزيد العقلَ والدينَ والخُلُقَ۔''(۶)

ترجمہ: ''جان لیں کہ کسی قوم کی زبان کا عادی ہونا اس کی عقل، اخلاق اور دین میں کھلی ہوئی تاثیر رکھتا ہے، اور اس اُمت کے ابتدائی دور (کے اکابر صحابہؓ و تابعینؒ) کے ساتھ مشابہت کا ذریعہ (زبان) بھی ہے، اور مزید یہ کہ اُن کی مشابہت عقل، دین اور اخلاق میں اضافہ کا ذریعہ ہے۔''

افسوس ہے کہ آج کل مسلمانوں کی نظر اس قدر سطحی ہوگئی ہے کہ اپنے بزرگوں کے مجرب اصول اور ان کے بتلائے ہوئے گُر اُن کی سمجھ میں نہیں آتے۔ سلفِ صالحین کے حکمت آموز کلمات و

نفاق پیدا کرتی ہے۔''

حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ:

''امام شافعیؒ نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ نے خرید وفروخت کے ذریعے فضلِ خداوندی (مال وغیرہ) تلاش کرنے والوں کو تجار (یعنی تجارت کرنے والے لوگ) کہا ہے، اور عرب مسلسل انہیں تجار کہتے رہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے بھی انہیں عرب کی زبان میں تجارت کے ساتھ ذکر کیا۔ اور سَماسرہ (سمسار کی جمع بمعنی دلال) عجمیوں کا نام ہے، لہٰذا ہم نہیں چاہتے کہ عربی سے واقف کوئی شخص کسی تاجر کو تاجر کے علاوہ دوسرے نام سے پکارے، یا عربی چھوڑ کر عجمی زبان میں بات کرے اور جو زبان اللہ تبارک وتعالیٰ نے پسند فرمائی ہے وہ عرب کی زبان ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ رب العزت نے قرآن کریم عربی زبان میں نازل فرمایا اور اسے خاتم الانبیاء ﷺ کی زبان قرار دیا۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں: کہ جو شخص عربی زبان سیکھنے کی قدرت رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اسے سیکھے، کیونکہ یہ قابلِ رغبت زبان ہے، البتہ کسی کو عجمی زبان سے بالکلیہ نہ روکا جائے اور اس پر تکلم کو حرام نہ کہا جائے، چنانچہ امام شافعیؒ کے زمانے میں جو شخص عربی جانتا اس کے باوجود غیر عربی میں پکارتا یا عربی کو عجمی کے ساتھ خلط کر کے استعمال کرتا تو امام شافعیؒ اُسے ناپسند فرماتے۔ (حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:) یہ تفصیل ائمہ نے ذکر کی ہے اور یہی صحابہؓ اور تابعینؒ سے بھی منقول ہے۔''(۱۵)

حوالہ جات

۱:-ثمرات الاوراق: مفتی شفیع عثمانیؒ: ۸۴-۸۶

۲:-حوالہ بالا

۳:-غابرالأندلس: ۳۸

۴:-غابرالأندلس: ۳۹

۵:-الجواب الکافی لمن سأل عن الدواء الشافی

۶:-اقتضاء الصراط المستقیم بتصرف بسیط، ص: ۱۷۶ و ۱۷۷

۷:-غابرالأندلس وحاضرہا: ۱۵۵-۱۵۶۔

۸:-حوالہ بالا.

۹:-المستدرک علی الصحیحین، فضائل قبائل العرب، فضل کافۃ العرب، ج: ۴، ص: ۹۷، ط: دار الکتب العلمیۃ.

۱۰:-مجموعۃ فتاوی ابن تیمیۃ: ۳۲/۲۵۲

۱۱:-أخبار النحویین لعبد الواحد ابن عمر: ۲۵.

۱۲:-اقتضاء الصراط المستقیم: ۱۷۷

۱۳:-معجم الأدباء: ۱/۲۲.

۱۴:-المستدرک علی الصحیحین للحاکم: ۴/۹۸

۱۵:-اقتضاء الصراط المستقیم: ۱۷۵.